''تکامل فہم بشری'' کے تناظر میں سید منظور حیدر کی ترجمہ نگاری

*ساجد اقبال

Syed Manzoor Haider's Translation Work With reference to

Takamul-e-Fehm e Bashri

Sajid Iqbal

Although Syed Manzoor Haider's name remained concealed among literary circles yet he was a versatile, competent poet and a promising translator. He translated the Iranian thinker Dr. Abdul Karim Sarosh's the Persian treatises by the name of"Takamul-e-Fehme Bashri which he entitled under total twelve sub titles. These treatises are taken out of Abdul Karim Sarosh's compilations namely"Bast Tajrba Nabvi, Ilmul Kalam Jadid"and"Taryak Shariat."

This translation was different from the traditional one. By getting advantages out of social and scientific knowledge, its purpose was the writer's perception of religion to people in a simple and understandable language. He also translated Fazal-Ullah Zia Noor's compilation"Wahdat al Wajood and Iqbal's verse comprising compilation"Pas Che Bayad Kard" with artistic taste and compilation. The way he did this work through his artistic capabilities, can never be forgotten.

کلیدی الفاظ :

مترجم، مرکبات، مرکزی خیال۔

*لیکچرار اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج۔ چکوال

تلخیص

سید منظور حیدر کا نام اگر چہ ادبی حلقوں سے اوجھل رہا ہے لیکن وہ ایک باکمال شاعر اور باصلاحیت مترجم تھے۔ انھوں نے ایرانی مفکر ڈاکٹر عبدالکریم سروش کے دس فارسی مقالات کا ترجمہ **تکامل فهم بشری** کے نام سے کیا۔ جس کے لیے انھوں نے کتاب میں کل بارہ عنوانات قائم کیے۔ یہ مقالات عبدالکریم سروش کی تصانیف **بسط تجربه نبوی، علم الکلام جدید اور قبض و بسط تئوریک شریعت** سے لیے گئے ہیں۔ اس ترجمے کا مقصد روایتی روش سے ہٹ کر سماجی اور سائنسی علوم سے استفادہ کرتے ہوئے فہم دین کے حوالے سے مصنف کے خیالات کو سادہ اور عام فہم زبان میں عوام الناس تک پہنچانا تھا۔ سید منظور حیدر نے فضل اللہ ضیا نور کی تالیف **وحدت الوجود** اور اقبال کی مثنوی **پس چه باید کرد** کے تراجم بھی انتہائی ذوق وشوق اور جانفشانی سے کیے ہیں۔ ان تمام تراجم میں انھوں نے جس طرح اپنی فنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے انھیں کسی قیمت پر بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

زندہ قوموں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وہ اپنی تہذیب وثقافت کو پھلتا پھولتا اور اپنے علمی، ادبی، سماجی، سیاسی اور سائنسی میدانوں کی کارکردگی کو بام عروج پر دیکھیں لیکن اگر قوموں کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی بھی قوم ایک دم تہذیب وترقی کی رفعتوں تک نہیں پہنچ جاتی بلکہ ایک تدریجی عمل سے گزر کر علم و ادب کے میدانوں کو اپنے اور دوسری قوموں کے تجربات علم وادب سے منور کرتی ہے۔

یورپ کو آج ترقی کی معراج گردانا جاتا ہے۔ صدہا قوم کے علوم کی درس گاہیں اور ٹیکنالوجی کے مراکز ان کی علمی اور تہذیبی ترقی کی رفتار اور صحت کی علامت ہیں لیکن اس عروج کے پیچھے ان کی کئی صدیوں پر مشتمل جستجو اور تحقیق کا لامتناہی سلسلہ کارفرما ہے۔ اسی تحقیق اور جستجو کے ہتھیار سے لیس ہو کر وہ مسلمانوں کے علمی خزانوں تک پہنچے۔ انھوں نے نہ صرف مسلمانوں کے علمی سرمایۂ حیات کو سمجھا بلکہ اسے اپنی زبان میں منتقل بھی کیا۔ اس سے نہ صرف ان کے تصورات وخیالات کو نئی جہت ملی بلکہ ان کے روشن دماغ مترجمین نے ایک ترقی یافتہ قوم کی تہذیبی وسعت اور کشادگی کے رازوں کو بھی پالیا۔ خود مسلمانوں کے تہذیبی ارتقا کے زمانے میں یہ کام ابن رشد اور ابن سینا نے کیا تھا۔ ابن رشد نے ارسطو سے دنیا کو متعارف کروایا جب کہ ابن سینا نے یونانی علم طب کے میدان میں کارفرما تحقیقات کو ترجمہ کر کے یونانی علم سے استفادہ کرنے اور ان کی بنیادوں کو سمجھنے کی راہیں کھول دیں۔ اگر ترجمے کا یہ سلسلہ قوموں کی علمی زندگی میں جگہ نہ بنا سکتا تو علم انسانی کے رازوں کا امین یہ قافلہ کبھی آگے نہ بڑھ پاتا۔

حاجی احمد فخری کے بقول:

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ جب کوئی قوم علوم وفنون میں ترقی کا پہلا قدم اٹھاتی ہے تو سب سے پہلے علمی زبانوں کے تراجم

سے اپنی زبان کو سرمایہ دار بناتی ہے اور زندہ قوموں کی سعی و کوشش کے نتائج کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے علمی خزانوں کو معمور کرتی ہے۔(۱)

تراجم کے ذریعے ہی زبان دوسری زبانوں سے نہ صرف فکری مواد سمیٹتی ہے بلکہ اپنی نوک پلک سنوار کر اپنی حیثیت کو ثابت کرتی ہے۔ جملوں کی ہیئت، تشبیہات و استعارات کی بوقلمونی اور بہت سی لفظی خوبیوں کے اثرات اس کی صلاحیت کو نکھارتے اور اس میں مزید رنگ آمیزی بھی پیدا کرتے ہیں۔ زبان میں اس طرح کے فنی کمالات کے جوہر پیدا کرنے میں تراجم نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہر زبان دوسری زبان سے فکری اور فنی حوالوں سے فیض یاب ہوتی رہی ہے۔

بقول ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر:

> ترجمہ جہاں ایک طرف نئے خیالات اور فکری نظام کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے دوسری طرف اظہار اور اسلوب کے قرینوں کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کرتا ہے۔'' (۲)

> کسی بھی قوم میں تنقیدی شعور بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دوسری قوموں کے تجربات علم و ادب کے مختلف ذائقوں، رنگوں اور اسالیب سے آشنائی حاصل نہ کرے۔ آشنائی کا یہ مفید اور پُر اثر وسیلہ ترجمہ کاری میں ہے۔ الغرض تراجم کا عمل نہ صرف ماضی اور حال کے درمیان ایک مضبوط کڑی ہے بلکہ اس نے ثقافتی لحاظ سے قوموں کو متعارف کروا کے ماضی سے تابناک حال کی طرف بڑھنے کی راہ بھی بتائی۔

> جمیل جالبی لکھتے ہیں: ایک زبان کا جملہ جب دوسری زبان میں جم کر ترجمہ ہو جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ ''دو لچروں'' کا اصل ہو گیا۔ یہ کام بیشتر تراجم کے ذریعے ہوتا ہے۔ (۳)

ترجمے کی مذکورہ ضروریات و اہمیت کے ضمن میں سید منظور حیدر کی کاوش **تکامل فهم بشری** قابل قدر ہے۔ یہ ایرانی مفکر ڈاکٹر عبدالکریم سروش کی کتب **بسط تجربه نبوی، فهم دین و علم الکلام جدید اور قبض و بسط تئوریک شریعت** سے چنیدہ مضامین کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ شدہ تمام مضامین کا مرکزی خیال ایک ہی ہے کہ جس طرح انسان نے علمی ارتقاء کی منازل طے کی ہیں اسی طرح فہم دین بھی تدریجی عمل سے گزرا ہے۔ دین کے احکامات، اخلاقیات و معارف کو اپنے عہد کے مطابق جدید انداز میں سمجھنے کی ضرورت ہے اور اگر ہم اس سے صرف نظر کریں گے تو دین صرف ایک معاشرے یا خطے تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ یوں **تکامل فهم بشری** ترجمے کے میدان میں ایک ایسی کاوش ہے جس میں تقاضائے وقت اور تقاضائے دینی دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ایک کامیاب مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف موضوع کے ساتھ فکری مناسبت رکھتا ہو بلکہ صاحب

تصنیف کی تمام تالیفات وتصانیف کی فکری معنویت سے بھی بخوبی آگاہ ہو۔ یہ خصوصیت مترجم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ اس کا ترجمہ محض ترجمہ نہیں رہتا بلکہ اصلیت کی فطری جھلک اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔

تکامل فهم بشری کے ترجمہ کے لیے سید منظور حیدر نے عبدالکریم سروش کی بیشتر تصانیف کو حاصل کیا ان کو پرکھا، سمجھا اور مصنف کی تمام فکری جہات تک رسائی حاصل کی۔ راقم نے عبدالکریم سروش کی تصانیف قمار عاشقانہ، اوصاف پارسایان، ایدلوژی شیطانی، فربہ ترانہ ایولوژی، قبض و بسط تئوریک وغیرہ کو سید منظور حیدر کی لائبریری میں دیکھا۔ یوں نہ صرف ترا جم کے لیے مصنف نے تمام فکری رجحانات، جہات کو کنگھالا بلکہ مصنف کے ذہن، خیالات، حالات، نفسیات اور زبان تک رسائی حاصل کی اور یہی وجہ ہے کہ اس ترجمے میں اصل مصنف کی روح بولتی نظر آتی ہے۔

مظفر علی سید کے بقول:

> متن کی زبان اور اپنی زبان تو خیر آنی ہی چاہیے۔ اس موضوع کے ساتھ بھی طبعی مناسبت درکار ہے جو متن میں موجود ہے۔ مصنف سے کوئی نہ کوئی نفسیاتی مماثلت لازمی ہے اور صنف ادب اور شاخ علم سے بھی جس سے متن پیوست ہے مترجم کو پیوستگی حاصل ہو۔ (۴)

سید منظور حیدر کے اس نثری ترجمے میں یہ کوشش خاص طور پر نظر آتی ہے کہ انھوں نے مفہوم کی ادائیگی پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ تکامل فهم بشری میں اگرچہ لفظ بہ لفظ ترجمے کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن زیادہ زور مفہوم، خیالات او راحساسات کے بیان پر ہے۔ اس ترجمہ شدہ کتاب پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اصل مفہوم کا اظہار نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل فارسی اقتباس اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ سید منظور حیدر ایک ایک لفظ کے اندر اتری معنویت کو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں:

''ممکن است گاهی باخواندان فلسفه، عرفان و یا اندیشه های علمی جدید برای ما اشکالاتی نسبت به پاره ای از معارف دینی پیدا شود۔ مثلا فروید بابحث های که در رو انکاوی مطرح می کند برای عده ای ایجاد شبه می کند۔ وهمان طور که ذکر شد این شبهات حدّو حصری هم نه ندارد۔ اینها وظائف اصلی علم کلام است که از گذشته وجود داشت و علم کلام با این نوع و طائف شناخته می شده است و امروز هم، هم چنان هست۔ متکلمان برای این که از عهدهٔ این وظائف بر آئند احتیاج به ابزار دارند۔ این ابزار دو گونه می توانند به دست بیاورند :یا از ابزار هائی ساخته و پرداختهٔ پیشین استفاده کنند و یا خود شان ابزار جدید بسازند۔ بالآخره دفاع عقلی از معارف دینی ها تبیین آن ها و یا ایستادن در برابر شبهات مخالفان، احتیاج دارد که آدمی مجهز به سلاحهائی باشد۔'' (۵)

ترجمہ:

بعض اوقات فلسفہ اور علم جدید کے پڑھنے سے ہمارے دل میں دین کے متعلق اشکالات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے فرائڈ نے جو نفسیات کے بارے میں لکھا ایک طبقہ بہت سے شبہات کا شکار ہو گیا۔ ان شبہات کی کوئی حد نہیں اور یہ ہی علم کلام کا اصل کام ہے اور آج بھی علم کلام کو اسی طرح دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے متکلم کو اوزاروں کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اوزار دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں، دوسرے وہ جو انھیں ہر زمانے میں نئے بنانے پڑتے ہیں۔ آخر دینی معارف کا عقلی دفاع یا ان کی تبیین شہادت کے سامنے کھڑا ہونا بغیر ہتھیاروں کے کیسے ممکن ہے۔ (۶)

الفاظ و مفاہیم کا ایک توازن ہے جو پوری ترجمہ شدہ اقتباس میں نظر آتا ہے۔ اگر صرف الفاظ کے مترادفات لا کر کام بن سکتا تو ترجمہ شدہ اقتباس کوئی اور ہی کہانی سنا رہا ہوتا۔ پھر یہ مفہوم اصل عبارت کی تفسیر بھی نہیں ہے کہ جس طرح چاہا اپنے نقطہ نظر کے تحت بیان کر دیا۔ اصل کو بعینہٖ بیان کرنے اور مطالب و مفاہیم تک پہنچنے کی یہ ایک کامیاب کاوش ہے۔

ترجمہ چاہے آزاد ہو یا پابند اس کے لیے فنی ریاضت، تخلیقی فطرت اور والہانہ ذوق کی ضرورت ہوتی ہے۔ خون جگر صرف کر کے مصنف کی اصل روح اور اس کی تصنیف کے مرکزی خیال کو پانا آسان نہیں۔ سید منظور حیدر ایک فطری فن کار تھے۔ انھوں نے کمال ہنرمندی اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اصل تخلیق سے ہمارا رابطہ کروایا بلکہ حقیقی تحریر کی روح کو قید کیا ہے۔

سید منظور حیدر نے تکامل فهم بشری کے ترجمے میں زبان، لب و لہجہ اور اسلوب کی اصل چاشنی اور کھنک کو برقرار رکھتے ہوئے اپنا خالص تحریری رنگ بھی ترجمہ میں داخل کیا۔ چوں کہ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں پر کامل گرفت رکھتے تھے اس لیے الفاظ، مرکبات اور اسلوب کے معاملے میں انھوں نے تحریر میں گنجلک اور مبہم انداز پیدا ہی نہیں ہونے دیا بلکہ انتہائی سادہ اور عام فہم اسلوب میں نئے فنی امکانات کو واضح کیا۔ انھوں نے اس بات کا خیال رکھا کہ موضوع کس قسم کے اسالیب بیان کے وجود کا متمنی ہے اور کس قسم کے اسالیب کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہے۔ سید منظور حیدر نے ادبی حسن کو برقرار رکھتے ہوئے سادگی اور سلاست کو اہمیت دی۔ یوں عبدالکریم سروش کے دقیق اور گہرے مفاہیم کے حامل مضامین ادبی حسن اور دلکشی کے باعث قاری کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں:

''این نکته فوق العاده فهمی است آدمی به قدر و تناسب دانایی اش زندگی می کند زندگی امروزیان اگر پیچیده است برای این است که شاختشان پیچیده است و زندگی ساده پشینیان معلوم شناخت سائر آنها از طبیعت و از اجتماع و از انسان بود۔ کشاورزی صنعتی و کشاورزی غیر صنعتی محصول دو گونه شناخت زمین و بذر و دام و پروهای طبیعت اندهم چنین است۔ حیات سیاسی آدمیان به طور خلاصه علوم

انسانی جدید، هم آئینه معیشت جدید ند، هم مولدآن و چون دین نسبت به علوم انسانی، بیانی اقلی دارد، لذا بیانش نسبت به زندگی و آداب (و اخلاق) آن هم اقلی خواهد بود۔" (۷)

ترجمہ:

ایک سمجھنے کی بات ہے کہ انسان اپنی دانائی کے تناسب سے زندگی بسر کرتا ہے اگر آج زندگی پیچیدہ ہے تو اس لیے کہ آج زندگی کا شعور بھی پیچیدہ ہے۔ اگلے وقتوں کے لوگوں کی زندگی سادہ اس لیے تھی کہ زندگی کے متعلق ان کے نظریات بھی سادہ تھے۔ معاشرے، انسان اور فطرت کے مفاہیم ان کے نزدیک سیدھے سادے تھے۔ آج صنعت اور سرمایہ داری کے اثرات روئے زمین پر غالب ہیں۔ ان سے سیاست بھی متاثر ہوئی۔ جدید علوم ایک جدید معیشت لائے جس کا اثر اخلاقی اقدار پر بھی ناگزیر تھا۔ چونکہ دین کا علوم انسانی کی بابت بیان اقلی ہے پس اس کی زندگی اور آداب و اخلاق کی بابت تعلیم بھی حد اقلی کہلائے گی۔ (۸)

ایک مشکل اور گہرے مفاہیم پر مشتمل مضمون کو کس قدر آسان اور رواں زبان میں پیش کیا گیا ہے اس کی وجہ خود سید منظور حیدر کی ادب شناسی اور ادب فہمی ہے۔ اس لیے باقر علی شاہ نے لکھا، "ڈاکٹر سروش کے مقالات کا ترجمہ سید منظور حیدر نے بڑی محنت کے ساتھ کیا کہ ترجمے پر تخلیق کا گمان گزرتا ہے۔"(۹)

سید منظور حیدر سے عبدالکریم سروش کے مقالات کا ترجمہ کرتے ہوئے پیراگرافوں پر خصوصی توجہ دی ہے انھوں نے پیراگرافوں کے اندر چھپے ہوئے مفاہیم اور مرکزی خیال کو زیر سطح نہیں رہنے دیا بلکہ خوب اجاگر کیا اور نکھارا ہے۔ ہر پیراگراف کا مرکزی خیال چونکہ مختلف ہے اس لیے ترجمہ نگار کی توجہ کا مرکز ہر پیراگراف کے نئے مرکزی خیال کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

نثر میں مرکزی خیال مختلف پیراگرافوں میں بکھرا ہوتا ہے یہ پیراگراف بالکل ان لکیروں کی طرح ہوتے ہیں جن کی مدد سے تصویر بنائی جاتی ہے جس طرح لکیروں کا ہر خم، ہر زاویہ بامعنی ہوتا ہے اور اپنی مختلف کروٹوں سے وہ تصویر کاڑھنے میں مدد دیتا ہے اسی طرح تحریر کا ہر پیراگراف مرکزی خیال کو واضح کرنے میں معاون ہوتا ہے۔(۱۰)

سید منظور حیدر نے جملہ سازی پر بہت محنت کی ہے۔ ان کے ہر جملے کی ساخت مفہوم کو واضح کرتی ہوئی اصل مصنف کی تحریر سے مربوط ہو جاتی ہے۔ اس سے خیال اور مضون کے تسلسل میں بھی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی موضوع کی مرکزیت سے وہ دور ہوتے ہیں۔ جہاں بھی مفہوم کو اجاگر کرنے میں انہیں دقت محسوس ہوئی انھوں نے جملے کو توڑ کر ایسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ان کے پیراگرافوں کے آخری جملے خاص طور پر بھرپور ہیں اور پورے پیراگراف کا احاطہ کرتے ہیں بعینہٖ اس انداز میں تاثر کو ابھارتے ہیں جس طرح حقیقی مصنف کے ہاں یہ تاثر واضح اور بھرپور ہے۔

سید منظور حیدر کی یہ کوشش رہی ہے کہ ترجمہ کی زبان سادہ اور عام فہم ہو، جملہ کے ساتھ نپے تلے الفاظ فقرے کی ساخت میں خوب صورتی سے سج دھج جاتے ہیں۔ وہ کم الفاظ میں بات کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اِیجاز و اختصار کے ساتھ بات کرنے کے ڈھنگ سے واقف ہیں تکامل فہم بشری کے تمام حصوں میں یہ انداز تحریر یکساں ہے۔ کسی افراط و تفریط کا شکار ہوے بغیر کم سے کم الفاظ کا سہارا لے کر مفہوم کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کاریگری ہے جو زبان پر کامل گرفت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کے پس منظر میں فنی خلوص اور شعوری کوشش کارفرما ہے۔

ترجمہ کاری کے لیے بنیادی تقاضا بھی یہی ہے کہ جملے کو سادہ، عام فہم اور عام طرزِ ادا کے رویے کے قریب رکھا جائے۔ طرزِ ادا کے تعلق سے بنیادی بات یہ ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ اپنے موزوں ترین الفاظ سے ادا ہو کہ خیال یا معنی آئینہ کی طرح صاف اور روشن ہو جائے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب خیال یا معنی خود لکھنے والے کے ذہن میں پوری طرح صاف ہوں۔ (۱۱)

ان کا اسلوب تواتر کے ساتھ آگے بڑھتا ہے ہاں اس کو برتنے کا انداز موقع محل کی مناسبت پر ہے۔ عبدالکریم سروش کا انداز خطیبانہ، منطقی اور استدلالی ہے۔ ایسے طرزِ بیان کو اپنی زبان میں ڈھالنے کے لیے مخصوص الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سید منظور حیدر نے ایسے مواقع پر الفاظ کا استعمال بڑے غور و خوض کے بعد کیا ہے۔ وہ الفاظ ایسے لائے ہیں جو خطابت اور استدلال کو بھی پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی مفہوم کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ اس طرح کے اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے انھوں نے لطافت اور حسن کا خاص خیال رکھا ہے اس لیے ان کی نثر کا رنگ نہ پھیکا پڑتا ہے اور نہ ہی پڑھنے والے کے لیے بوریت اور الجھاؤ کا باعث بنتا ہے۔ واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ محض ترجمہ نہیں رہا بلکہ تخلیقی عناصر کی شمولیت اور زورِ بیان نے اسے ایک نئی چیز بنا دیا ہے۔

ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک تخلیقی نوعیت کا کام ہے۔ صرف زبان دانی کی سطح پر اچھے مترجم کی خصوصیات میں جہاں اور بہت سے امور شامل ہیں وہیں زبان کی گرائمر، لفظ کی شناخت، روزمرہ، استعارات اور کنایات، علامات، تشبیہات، ضرب المثال اور ان بولیوں اور زبانوں سے واقفیت بھی ضروری ہے جس سے اردو زبان کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس میں زبان کا مزاج اسلوبی نظام اور پیرایہ اظہار کو بھی یکساں اہمیت حاصل ہے۔ (۱۲)

سید منظور حیدر محض ترجمہ نگار نہیں بلکہ وہ ایک تخلیق کار بھی ہیں۔ جب ایک تخلیقی شخصیت ترجمے کے کام میں ہاتھ ڈالتی ہے تو ترجمہ اپنے اصلی مقام سے اوپر اٹھ کر حقیقی عظمت کا پرتو پیش کرتا ہے۔ تخلیق کار کے پاس محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ بے شمار فنی وسائل بھی ہوتے ہیں یہ وسائل جب وحدت کی لڑی میں پرو دیئے جائیں تو فن اپنی موجودگی کا خود بخود احساس

دلانے لگتا ہے۔تکاملِ فھم کو ہم ترجمہ ضرور کہتے ہیں اور یہ ہے بھی ترجمہ لیکن اپنی فنی پختگی کے باعث حقیقی تخلیق کا نظارہ پیش کرتا ہے۔اس میں وہ فنی شعور سرایت کیے ہوئے ہے جو خالصتاً تخلیقی اجزا سے مرکب ہے۔

سادگی اور سلاست کو اچھے تراجم کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن گنجلک اور مبہم مفاہیم کو بعض اوقات سادہ مطالب میں بیان کرنے سے آپ اصل مفہوم سے دور جا پڑتے ہیں۔سید منظور حیدر نے ایسے مواقع پر لفظی ترجمے کو زیادہ اہمیت دی ہے اور صرف خوبصورت اسلوب کی خاطر مفہوم و متن کو قربان نہیں کیا۔ایک مثال دیکھیے۔

یعنی انسان که به معلومات مختلف چنگ می انداز و اطلاعاتِ گوناگون کسب می کند، گویا درِ آن می گیرد۔رفتن به سوی این مخزن، بیرون آوردن گزارها و آراستن آن ها معلول عوامل بسیار است۔ گاه پرسشی، گاه انتقاد و اعتراض یا تعریف و مدحی، گاه عوامل روانی، معرفتی، معیشتی و عوامل نادانستۂ دیگر، در رشد معرفت انسان مؤثر ندو مار ابه مطالب تازه مهمان می کنند۔(۱۳)

انسان جب مختلف معلومات میں ہاتھ ڈالتا ہے اور گوناگوں اطلاعات حاصل کرتا ہے تو گویا اس مخزن کو کھولتا ہے اور کچھ موضوعات کو قید سے رہا کرتا ہے اور یہ جواہر نکال کر انھیں سجانے کے لیے بے شمار عوامل ہیں،کبھی کوئی سوال، اعتراض یا تنقید و تعریف،کبھی نفسیاتی محرکات،کبھی علمی،کبھی معاشی عوامل،اور بہت سی نامعلوم وجوہات بھی ان عوامل میں شمار ہیں، جو انسانی علوم کے سفر ارتقا میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں اور ہمیں کسی تحقیق میں وارد کرتی ہیں۔(۱۴)

مترجمین کے ہجوم میں شعر و ادب،مذہب،تاریخ،تصوف،علم الکلام اور فلسفیانہ مباحث پر گرفت کے ضمن میں سید منظور حیدر کا نام بھی قابل قدر ہے۔اپنی علمی صلاحیتوں اور آگاہی کے ساتھ ساتھ فارسی پنجابی اور اردو پر کامل گرفت نے انھیں اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ کسی بھی علمی، فکری اور فنی تحریر کو اردو کے قالب میں ڈھال سکیں۔ان کے اندر مترادفات اور اصطلاحات کے موزوں اور برمحل استعمال و اختراعات کی خداداد صلاحیت موجود تھی جس کا اظہار ان کے دیگر تراجم وحدت الوجود اور رھن کی کریہے سے بھی ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حاجی احمد فخری،دور تراجم،مشمولہ ترجمہ :روایت اور فن،(مرتب) نثار احمد قریشی،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۵ء،ص ۳۹،۴۰

۲۔ عبدالعزیز ساحر،ڈاکٹر، ڈاکٹر جمیل جالبی :شخصیت اور فن،اسلام آباد،اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۰۷ء،ص ۱۰۷

۳۔ جمیل جالبی،ڈاکٹر،ارسطو سے ایلیٹ تک،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،طبع نہم،۲۰۱۲ء،ص ۱۲

۴۔ مظفر علی سید،فن ترجمہ کے اصولی مباحث،مشمولہ اردو زبان میں ترجمے کے مسائل (مرتب) اعجاز راہی، اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء،ص ۸

۵۔ عبدالکریم سروش، ڈاکٹر، قبض و بسط تئوریک شریعت، جلد ششم، تہران، موسسہ فرہنگ صراط، ۱۳۷۷ھ، ص ۶۶، ۶۷
۶۔ سید منظور حیدر، تکاملِ فہم بشری، لاہور، اظہار سنز، س۔ن، ص ۱۰۸
۷۔ عبدالکریم سروش، ڈاکٹر، بسط تجربہ نبوی، تہران، موسسہ فرہنگ صراط، ۱۳۸۸ھ، ص ۱۰۰
۸۔ سید منظور حیدر، تکاملِ فہم بشری، لاہور، اظہار سنز، س۔ن، ص ۱۸۳
۹۔ باقر علی شاہ، مقدمہ، تکاملِ فہم بشری، لاہور، اظہار سنز، س۔ن، ص ۹
۱۰۔ نصیر احمد خان، ترجمہ اور لسانیات، مشمولہ فنِ ترجمہ نگاری، مرتبین، صوبیہ سلیم، ڈاکٹر، محمد صفدر رشید، اسلام آباد، ادارہ فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۳ء، ص ۲۷۲
۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد چہارم، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۹۷
۱۲۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مغرب سے نشری تراجم، مقتدرہ قومی زبان، طبع اول، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۴۹
۱۳۔ عبدالکریم سروش، ڈاکٹر، قبض و بسط تئوریک شریعت، تہران، مؤسہ فرہنگ صراط، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۱۵
۱۴۔ سید منظور حیدر، تکاملِ فہم بشری، لاہور، اظہار سنز، س ن، ص ۱۳۷

***